اسرائیل کے قیام اور زوال کے بارے میں قرآن مجید کی پیشگوئی

Quranic prediction about the rise and fall of Israeli state

*Manzoor Alam Bhutto

alambhutto@gmail.com

** Muhammad Farman

farman.shaikh@scholars.usindh.edu.pk

ABSTRACT

Palestine is that historical place popularly known as a land of prophets. Several prophets of Bani Israel lie buried there. It is the land that witnessed rise and fall in different eras. People in this part of the world were compelled to exile and migration many a time. A lot of bloody wars ravaged this city. This is the only land whose sanctity is claimed by all the three major world religions ie Judaism, Christianity and Islam. It is the native place of Jewish people, birth place of Jesus Christ and the first worship direction for Muslims.

Ben Gurion had asserted that it was Israel where Jewish people took birth and where their philosophical, political and religious existence flourished. In the end, he enthusiastically announced that there they declare it a Jewish state.
Britain took control of Palestine after inflicting defeat on the ottoman empire. Arabs formed majority of the population at that time and Jews were in minority. Most of the Jewish people settled in Palestine from the decade of 1920 to 1940 and some of them after their escape from the holocaust in Europe in the second world war.

United nations on 29 November approved the division plan bifurcating the land into two parts with Eastern one for Palestinians and the western for Jews. On 14 may 1948 the western Palestine was declared an independent state of Israel. In 1950, Jerusalem was declared as the capital city of Israel. Holy Quran has prophesied the rise and fall of Israel which has been described here.

Keywords: Israel, United Nations, Bani Israel, Quran, Hadith, Palestine

---

* Lecturer Govt: Boys Degree College Madeji Shikarpur.

**Ph.D. Scholar, Department of comparative religion and Islamic culture, university of Sindh Jamshoro.

تعارف

اسرائیل کا قیام:

بنی اسرائیل کی قدیم بادشاہت جو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے قائم کی تھی، اس زمانے میں مشرقی بحیرہ روم کے خطے میں سب سے بڑی زیادہ اثر رکھنے والی اور خوشحال تھی، شام میں فرات سے لیکر شمالی سینائی میں مصر کی ندی واد العریش تک اس ریاست کی فرمان روائی تھی۔ اس اسرائیلی ریاست کو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں مکمل طور پر امن وسکون ملا۔ مگر اسرائیلی آسمانی احکام اور شریعت کی پابندیوں سے آزاد رہنے کے عادی ہو چکے تھے اس لیے وہ بغاوت اور من مانی اور احکام خداوندی کا مزاح اڑاتے رہے۔ اس گروہ کے سیاہ کارناموں میں انکارِ نبوت سے آگے بڑھ کر قتل انبیاء علیہ السلام کا جرم بھی عام ہو گیا۔ اس گھناؤ جرم کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کا غصب اس قوم پر برس پڑا۔ اور اسرائیلی پوری قوم ذلت اور رسوائی کے وبال میں آگئی۔ بخت نصر نے اسرائیلیوں کو ان کے وطن سے ۵۶۷ ق۔م میں بے دخل کیا۔ پھر کچھ وقت کے بعد اسرائیلی ریاست وجود میں آئی لیکن ۷۰ ع میں ٹائٹس (Titus) رومی بادشاہ سے اسرائیلی ریاست پر حملہ کر کے اسکو تباہ وبرباد کر دیا اور اسرائیلیوں کو انکے وطن سے بے دخل کر دیا۔

۷۰ ع سے ۱۹۴۰ ع تک بنی اسرائیل کی قوم دنیا کے مختلف ملکوں عرب، یمن، ایران، افغانستان، ہندستان اور یورپ وغیرہ میں منتشر رہی۔ اسی دوران یہ لوگ ایران، عراق، ہندستان، یونان، یورپ، قسطنطنیہ، چین اور اسپین میں سرگرم عمل رہے اور اپنے ارض موعود کے لیے کوشش کرتے رہے۔

بائیبل کے مطابق خدا نے ابراہام سے مخاطب ہوتے ہی فرمایا تھا:

اور میں تجھ کو اور تیرے نسل کو کنعان کا پورا ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا عطا کروں گا کہ وہ دائمی تیری ملکیت ہو جائے اور میں ان کا خدا ہوں۔[1]

یہ اسرائیلیوں کے جغرافیائی تصور ہے جو ارض اسرائیل کی بنیاد ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وعدے کی نوید اور متحدہ بادشاہت کے تخیلاتی تصور سے مزین ہے۔

اسرائیلیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ۲۰۰۰ سال پہلے بنی اسرائیل کو جس سرزمین سے رومیوں نے نکالا تھا اس کو پھر سے حاصل کیا جائے۔ اس جدوجہد کو انہوں نے کبھی کسی سے پوشیدہ نہیں رکھا ان کا مقصد دریائے نیل سے لیکر فرات تک اور شمالی حجاز سے لیکر شام کی شمالی سرحدوں تک ملک حاصل کرنے کا جس میں دنیا بھر کے بکھرے ہوئے یہودیوں کو بسایا جائے۔ ۲ ہزار سالوں سے دنیا بھر کے تمام یہودی لوگ ہفتے میں ۴ مرتبہ یہ دعا خدا سے کرتے ہیں کہ بیت المقدس پھر ان کے ہاتھ میں آئے' اور ہم پھر وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کو دھراتا ہے، کہ ہم کس طرح ملک مصر سے نکلے اور کسی طرح فلسطین میں آکر آباد ہوئیں۔ اور پھر کس طرح بابل والے ہم کو غلام بنا کر لے گئے تھے اور رومیوں نے کس طرح ہم کو فلسطین سے بے دخل کر دیا۔ اور اسی طرح یہودی بچے بچے کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ فلسطین تمہارا ھی اصلی وطن ہے جو تم کو ملنا ہے اور تمہاری زندگی کا مقصد ھی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی پھر اسے تعمیر کرو۔

۱۲ صدی عیسوی کے مشہور یہودی فلاسفر موسیٰ بن میمون نے اپنی مشہور کتاب شریعتِ یہودی میں صاف اور صاف لکھا ہے کہ ہر یہودی نسل شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی فکر نو تعمیر کرے۔[۲]

فلسطین کے جس حصے پر اسرائیل کی ریاست قائم ہوئی ہے یہودیوں کی نگاہ میں یہ صرف محض قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ ان کا مقصد مصر کے ڈیلٹا کے علاقے سے لیکر سعودی عرب کے مدینہ طیبہ کا پورا علاقہ اور پورا اردن کا ملک پورے شام کا ملک پورا لبنان ترکی سے اسکندریہ کا علاقہ اور عراق سے اسکے ملک کا بڑا حصہ لیکر اس میں سے عظیم تر اسرائیل کا ملک حاصل کیا جائے جس کا واعدہ خدا تعالیٰ نے ان سے تورات میں کیا ہے۔ ان علاقوں کے لوگوں کو وہ غلام بنانا نہیں چاہتے بلکہ ان کو وہاں سے نکال کر زمین خالی کرانا چاہتے ہیں تا کہ ان کی جگہ یہودیوں کو لا کر بسایا جائے۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے یہودیوں نے ایک تحریک یہ بھی چلائی کہ مختلف علاقوں اور ملکون سے یہودی ہجرت کر کے ملک فلسطین میں آ کر آباد ہوں اور وہاں کی ساری زمینیں خرید لیں۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء سے یہودی مہاجرت شروع ہوئی اور یہودی لوگ فلسطین میں آنا شروع ہو گئے۔ اور زیادہ تر یہ مشرقی یورپ سے یہودی خاندان ملک فلسطین منتقل ہونے شروع ہوئے اس کے بعد مشہور یہودی لیڈر رہر اتزل نے ۱۸۹۷ میں ہی صیہونی تحریک کا آغاز کیا۔ اور اسی تحریک کا مقصد ملک فلسطین پر دوبارہ مکمل قبضہ حاصل کرنا ہے۔ اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو ہے۔

یہودی مالداروں سرمایہ داروں نے اس مقصد کے لیے بڑے پیمانے پر مالی پیسے کی امداد ان لوگوں کی جو فلسطین منتقل ہو رہے تھے تا کہ یہودی خاندان وہاں پیسوں سے زمینیں خریدیں اور آباد کریں اور وہاں بستیاں آباد کریں۔

پھر ۱۹۰۱ میں ہرتزل نے ترکی کے بادشاہ سلطان عبد الحمید کو یہ پیش کش کی کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں آپ ہمیں اس کے بدلے یہودیوں کا اسل قومی وطن بنانے کی ان کو اجازت دیں مگر سلطان عبد الحمید خان نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اور صاف صاف کہہ ہی دیا کہ جب تک میں اس دنیا میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی کی سلطنت زندہ موجود ہے اس وقت تک اسکا کوئی امکان موجود ہی نہیں ہے۔[۳] یہودیوں کی وطن حاصل کرنے کے لیے کوششیں اور بھی تیز ہو گئی یہاں تک کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اس جنگ کے ابتدائی دنوں میں یہودیوں نے ملک جرمنی حکومت سے اپنا معاملہ کرنا چاہا تھا کیونکہ اس وقت ملک جرمنی ملک میں یہودیوں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ یہودیوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش ہی کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا آزاد وطن بنوا دے گا۔

لیکن یہودی ایک وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے وہ یہ تھی کہ جرمنی اور ترکی اسی وقت اسی جنگِ عظیم اول میں ایک دوسرے کے حلیف تھے، یہودیوں کو یقین نہیں تھا کہ جرمنی یہ وعدہ پورا کرے گی۔ اس وقت ڈاکٹر وائزمین جو یہودیوں کا قومی رہنما تھا اس نے آگے بھڑ کر برطانیہ کی حکومت کو اونا یقین دلایا کہ جنگ ہگف میں پوری دنیا کے یہودی لوگوں کا سرمایہ اور ان کی کوششیں اور صلاحیتیں برخانیہ اور فرانس کے ساتھ ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ لوگ ہم یہودیوں کو یہ یقین دلاؤ کہ آپ فتح یاب ہو کر فلسطین کو ہمارا قومی وطن بنا دیں گے۔ آخر کار یہودیوں اور انگریز حکومت میں ۱۹۱۷ء میں ایک معاہدہ ہوا جس کو معاہدہ بالفور کے نام سے مشہور ہے۔

اعلان بالفور

حکومت برطانیہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی وطن قائم کرنے کو مستحق سمجھتی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے سہولتیں پیدا کرے گی۔

۹ دسمبر کو برطانوی فوج کا یروشلم پر قبضہ ہوا۔ سپریم کونسل نے فلسطین اور شرق اردن کی حکم داری ۲۵ اپریل ۱۹۲۰ کو برطانیہ کے حوالے کر دی۔

مجلس اقوام نے ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ کو اس کی تصدیق کر دی۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اعلان بالفور کی شرطوں کو عملی لباس پہنایا جائے گا۔

اسی دوران عرب اور یہودیوں کے درمیان حالات سخت کشیدہ ہوگئے۔ بالآخر عربوں کے مظاہرے اور فسادوں نے یہودیوں کے خلاف جنگ کی صورت اختیار کرلی اس صورت حال میں برطانیہ نے اپنی مزید فوجیں فلسطین میں بھیج دیں اور ان حالات کی تحقیق اور سفارشات کی ترتیب کے لیے ایک کمیشن (پیل کمیشن) کے نام سے مقرر کی، پیل کمیشن نے اپنی رپورٹ ۸ جولاء ۱۹۳۷ میں شائع کی۔ اس میں یہ سفارش کی گئی کہ عرب اور یہودی اکھٹے نہیں رہ سکتے اس وجہ سے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔

۱- یہودی ریاست: اس میں فلسطین کا تقریباً ایک تہائی حصہ شامل تھا جس میں پورا ساحلی علاقہ شامل تھا جو فلسطین کی شمالی حد یافا کے جنوب تک آتا تھا۔

۲- برطانوی حکومت کے تحت ریاست: یہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ یافا سے یروشلم تک کا علاقہ یافا یروشلم اور بیت الحم کا علاقہ اس میں شامل تھا۔

۳- عرب ریاست: باقی فلسطین شرق اردن تک کا علاقہ اسی میں شامل تھا۔[۴] حالانکہ اعلان بالفور کے وقت فلسطین میں صرف ۵ فیصد یہودی آباد تھے۔

لارڈ بالفور نے یہودیوں سے معاہدے کے متعلق اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ:

ہمیں ملک فلسطین کے متعلق کوئی اہم فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجود لوگوں سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ صیہونیت اسل ہمارے لیے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور مطالبات سے بہت ہی زیادہ اہمیت اور مقام رکھتی ہے جو اس وقت اس سرزمین فلسطین میں آباد ہیں۔[۵]

پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمن حکومت کا ساتھ دیا جب جرمنی کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو فاتحین نے جرمنی اور ترکی پر بے شمار تاوان اور پابندیاں لگائیں اس موقعہ پر برطانیہ کے عظیم انسان چرچل کے تاثرات یہ تھے۔

بیت المقدس کو اسلام اور مسلمانوں کو غلبے سے رہائی دلانا ہم مسیحوں اور یہودیوں دونوں ہی کا مشترکہ خواب یا نصیب العین تھا۔ لہٰذا اس کے آزاد کرانے پر جو خوشی ہم مسیحوں کو حاصل ہوئی ہے وہ یہودیوں کی خوشی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ ہمیں آج اس بات کی بہت ہی خوشی ہے کہ اب بیت المقدس اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے آزاد ہو چکا ہے۔ اسی طرح جب برطانوی جرنیل مسٹر لبنی بیت المقدس میں بطور فاتح داخل ہوا تو اس نے اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہوا ہے، اسی طرح جب فرانسی جرنیل غورو کے ملک شام کو فتح کیا اسکے بعد دمشق پہنچا اور ترکی کی افواج اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال چکی تو وہ فوراً دمشق میں موجود اموی جامع مسجد میں پہنچا کیونکہ وہاں غازی اسلام صلاح

الدین ایوبی کی قبر ہے۔ اس نے اس قبر کو لات مارتے ہوئے کہا کہ صلاح الدین اٹھ اور دیکھ۔ ہم نے اپنی شکستوں کا بدلہ لے چکے ہیں اور تیری سرزمین پر بطور فاتح لوٹ آئے ہیں۔

اعلان بالفور سے یہودیوں کے جدوجہد کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد یہودیوں کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگیا جب مجلس اقدام league of Nations کی دو بڑی طاقتوں برطانیہ اور فرانس نے ۱۹۲۲ع مجلس اقوام عالم میں فیصلہ کیا کہ ملک فلسطین کو اسل انگریزوں کے حوالے کر دیا دیا جائے۔ اس موقع پر ملک رفلسطین میں راشماری کرائی ہی گئی تھی۔ اس میں مسلمان عرب کل ۶۶۰۶۴۱ عیسائی عرب کل ۷۱۴۶۴ اور یہودی کل ۸۲۷۹۰ تھے اور اس وقت یہودیوں کی یہ آبادی بھی اس لیے تھی کہ وہ دھڑادھڑ فلسطین میں آباد ہوئے تھے۔ حالانکہ ۱۹۱۷ میں یہودیوں کی آبادی فلسطین میں صرف ۵۶۰۰۰ ہزار تھی۔ اور صرف پانچ سال کے اندر وہ بڑھ کر ۸۳ ہزار تک پہنچے۔

مجلس اقوام عالم نے برطانیہ کو ہدایت ہی کی کہ یہ اس کی اصل ذمہ داری ہے کہ ملک فلسطین کو یہودیوں کا قومی اصل وطن بنانے کے لیے ہر ممکن طرح کی آسانیاں پیدا کرے گا۔ اور وہاں کے اصلی باشندوں کے لیے صرف یہ ہدایت کی کہ ان کے مذہبی اور سول (Civil) حقوق کا ہر سورت تحفظ کیا جائے۔ اس میں ان کے سیاسی حقوق کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

پھر جنگ عظیم دوم میں معاملہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جب ہٹلر بادشاہ نے یہودیوں پر زمین تنگ کی تو ہٹلر بادشاہ کے مظالم سے بھاگنے والے ساری یہودی بے تماشا ملک فلسطین میں داخل ہوگئے۔

اسی دوران یہودیوں نے مسلح تنظیمیں بنانا شروع کیں۔ جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کر کے عربوں ک فلطین و بھگانے اور یہودیوں کو وہاں بسانے کی پوری پوری کوشش کی۔ اور فلسطین میں یہودی آبادکاروں کو ہر سہولت دیکر ان کی آبادی میں اضافہ کیا گیا۔

اس طرح ۱۹۱۷ سے ۱۹۴۷ تک ۳۰ سالوں میں صیہونیت کا دوسرا منصوبہ قومی وطن کے لیے مکمل ہوا۔

۱۹۴۷ میں ملک برطانوی حکومت نے ملک فلسطین کا اہم مسئلہ اقوام متحدہ عالم میں پیش کر دیا اور نومبر ۱۹۴۷۶ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کی سرزمین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔

تقسیمِ ملک فلسطین کی جو تجویز پاس کرائی گئی ھی۔ اس کی رو سے فلسطین کا ۵۵ فیصد علائقہ ۳۳ فی فیصد یہودی آبادی کے لیے مختص کر دیا گیا اور جبکہ ۴۵ فیصد علائقہ ۶۷ فیصد عربوں کو دے دیا گیا۔

ان ساری حالات کے دوران میں ۱۴ مئی ۱۹۴۸ کو جب اقوامِ عالم متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی کہ یہودی خفیہ ایجنسی نے رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اور اس ریاست کو سب سے پہلے ملک امریکہ اور ملک روس نے تسلیم کیا۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی یہودیوں نے عرب آبادیوں پر مسلح حملے کر کے ان کو ان کے علائقوں سے بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ ان حالات میں فلسطین کے گرد پیش کی عرب ریاستوں نے ساری بے سہارا سارے عرب لوگوں کو بچانے کے لیے مداخلت کی اور ان کی فوجیں ملک فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ لیکن اس وقت یہودی اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ یہ پانچ ملک عرب ریاستیں مل کر بھی ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں ؟۔ جب نومبر ۱۹۵۸ع میں اقدام متحدہ عالم نے فوراً جنگ بندی کا فیصلہ کیا تو اس وقت ملک فلسطین ک ۷۷ فیصد علائقہ یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔

اسکے بعد صیہونی یہودی منصوبہ کا تیسرا مرحلہ وار شروع ہوا جو ۱۹۶۷ء میں عرب اور اسرائیل جنگ میں بیت المقدس اور باقی فلسطین کے عرب علاقے اور جزیرہ نمائے سینا مصر اور شام کی جولان پہاڑیوں پر اسرائیل کے قبضے کی صورت میں تکمیل کو پہنچا۔ یاد رہے کہ نومبر ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کا رقبہ ۷۹۹۳ مربع کلومیٹر تھا پھر جون ۱۹۶۷ کی جنگ میں اس میں ۷۲ ہزار مربع کلومیٹر کا اضافہ ہوا۔ اس جنگ میں امریکہ فرانس اور برطانیہ اسرائیل مکمل حمایت کر رہے تھے۔

سنہ جون ۱۹۶۷ کی شدید جنگ کے بعد جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اہم اجلاس شروع ہونے والا ہی تھا تو اس وقت اسرائیل کے وزیر اعظم لیوی اشکول نے فوراں اعلان کیا کہ اگر اقوام متحدہ کے ۱۲۲ میمبروں میں سے ۱۲۱ میمبر بھی فیصلہ کر دیں اور تنہا ہی اسرائیل کا اپنا صرف ووٹ ہمارے حق میں رہ جائے تو پھر بھی ہم اپنے مفتوحہ علاقوں سے نہ نکلیں گے۔[۶]

اس عرصے میں بیت المقدس سمیت پورا فلسطین جزیرہ نمائے سینا سمیٹ اسرائیلوں کے ہاتھ آ گیا۔ اور اس طرح انکا تیسرا مرحلہ بھی کامیابی سے مکمل ہو گیا۔

یہودیوں کا اصل آخری وہ منصوبہ جس کے لیے وہ دو ہزار برس سے ہی بے تاب ہیں اور جس کے لیے سالوں سے صیہونی تحریک چلا رہے ہیں۔ اس منصوبہ کے دو اہم جز ہیں ایک یہ کہ مسجد اقصیٰ فلسطین اور قبہ آصخرہ کو ہی شہید کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اس پورے علاقے پر قبضہ کر لیا جائے جسے اسرائیلی اپنی میراث سمجھتے ہیں۔ یہ میراث کہاں تک ہے اس کا ذکر خود اسرائیل کی پارلمینٹ پر الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم

اسرائیل کے ملک کا قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دنیا بھر میں منتشر یہودیوں کو یکجا کیا جائے, قیام اسرائیل کے بعد دنیا بھر کے یہودی اسرائیل کا رخ کر رہے ہیں اور ان کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے, آبادی میں اضافہ ان کو ملکی روحنی حدود میں اضافہ کا جواز فراہم کر رہا ہے, ساری دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ, صلاحیتیں اور پشت پناہی اسرائیل کو حاصل ہے اس لیے اسرائیلی ریاست آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے۔ اس ریاست کے قائم ہونے کے چند سال بعد ہی دریائے اردن کا مغربی کنارہ, شام کی جولان کی پہاڑیاں, مصر کی غزہ کی پٹی, ایلیات کے بندرگاہ اور اس کے ساتھ متحق علاقے اور جنوبی لبنان اسرائیل کی حدود میں شامل کیے جا چکے ہیں, عظیم تر اسرائیل کے منصوبے کے مطابق پورا شام, پورا لبنان, پورا اردن عراق کا علاقہ جنوبی ترکی, صحرائی سینا, پوری وادی نیل اور شمالی حجاز بشمول مدینہ اس میں شامل ہے۔

اسرائیل کے قیام کے بعد ہی ڈاکٹر الکمان نے ۱۳ مارچ ۱۹۵۲ کو یہ اعلان کیا تھا کہ عظیم تر اسرائیل جو عراق سے سویز تک ہو گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو واضح الفاظ میں بتادیں کہ دنیا کے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسرائیلی ریاست کی از سر نو جغرافیائی حدود مقرر کی جائیں جو عراق سے سویز تک پھیلی ہوئی ہوں۔

اسرائیل پارلینمینٹ نے اپنے بنیادی اصول عمل کا جو نشان (Motto) منظور کیا ہے وہ یہ ہے کہ

اے اسرائیل تیسری حدود دجلہ سے نیل تک ہیں۔[۷]

دنیا میں واحد ملک اسرائیل ہے جس نے کھلم ہی کھلا دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ اعلانیہ اپنی پارلمینٹ پر ثبت کر دیا ہے۔

ڈیوڈ بن گوریان نے اسرائیل کے قیام سے ۱۰ سال پہلے ہی ایک صیہونی خفیہ اجلاس میں کہا تھا کہ ہمیں ایک سچ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ سیاسی لحاظ سے ہم (یہودی) حملہ آور ہیں وہ (فلسطینی) اصل اپنا دفاع کر رہے ہیں یہ زمین انکی گھے کیونکہ وہاں آباد ہیں جبکہ ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں اور وہ ٹھیک سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کا ملک چھیننا چاہتے ہیں۔ [۸]

اسرائیل کو بنانے میں اشتراکی ممالک کا کردار

اسرائیل کو قائم کرنے میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دیگر مغربی ممالک کے کردار اور ان ممالک کی طرف سے اسرائیل کی مسلسل مادی، اخلاقی اور سیاسی حمایت اور فلسطین کے اندر یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے لیے ان کی کوششوں کو تو سب لوگ جانتے ہیں۔ لیکن ابھی تک بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بالشویک انقلاب اور اشتراکی ممالک کا جو کردار ادا کیا جس کے ذریعے سرزمین عرب کے اندر صیہونی ریاست کو استحکام ملا۔ مارکسی تحریک کے اکثر لیڈر کٹر یہودی تھے۔ لینن خود یہودی تھا اس کی بیوی یہودی تھی۔ ٹراٹسکی کے ماں باپ دونوں یہودی تھے۔ کاگانووچ کا باپ یہودی تھا۔ اور کارل راڈیک کا پورا گھرانہ یہودی تھا۔

روس میں مارکسی حکومت بننے کے ۲ سال بعد لینن نے ٹراٹسکی کی قیادت میں ہی ایک اہم کمیٹی تشکیل دی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ فلسطین کے اندر مارکسی نظریات کی بنیادوں پر ایک یہودی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کرنے کے لیے کام کرے۔ اس علاقے میں کمیونسٹ پارٹی کی جو تشکیل تھی وہ بظاہر جاگیرداری، اور سامراجی قوتوں کے مدمقابل تھی۔ لیکن درپردہ ان ممالک میں سوشلزم کے اصولوں کا پرچار تھا پھر ۱۹۱۹ء میں فلسطین کے اندر یہودی کمیونسٹوں پر مشتمل ایک جماعت بنائی گئی۔

بالشویک حکومت نے یہودیوں کے لیے فلسطین میں زمینیں خریدی۔ خصوصا ان یہودی کے لیے جو روس سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہوئے اور پھر فلسطین میں اکثر یہودی کمیونسٹ ممالک سے آئے۔ پھر ایک وقت میں برطانوی سامراج اور اشتراکی ممالک کے تعاون سے یہودیوں کے لیے فلسطین میں آباد ہونے کے لیے دروازے کھول دیے۔ اور پھر عرب کے لوگوں کو اپنی زمینیں ان لوگوں کو بھیجنے کے لیے بھاری قیمتوں کی لالچ دی گئی۔

اس عرصے میں فلسطین کے اندر یہودیوں کے قدم جمانے، عربوں کی زمین ان سے خریدنے اور یہودی کالونیاں بنانے کے لیے جو سرمایہ فراہم کیا گیا وہ سب سے زیادہ سوویت یونین کی طرف سے فراہم کیا گیا۔ [۹]

فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کے قیام سے پہلے جب فلسطین برطانوی حکومت کے ماتحت تھا۔ اس وقت یہودی مار دھاڑ کر کے فلسطین کو اپنے علاقے اور قبضے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس وقت یہودیوں نے باقاعدہ فوجی یونٹ بنا لیے تھے۔ ان یونٹوں میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو روس، یوگوسلادیہ رومانیہ اور پولینڈ کے مہاجر تھے جو فلسطین میں ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کمیونسٹ ممالک اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتے اور بھاری آتشی اسلحہ اور جنگی جہازوں سے اسرائیل کی مدد نہ کرتے تو ۱۹۴۸ء کی جنگ کے دوسرے مرحلے میں اسرائیل صحرائے نقب، یافہ کچھ دوسرے علاقوں تک قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

جب ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا گیا تو دس منٹ بعد تل ابیب پر اس ریاست کو تسلیم کرلینے کے پیغامات آنا شروع ہوگئے، سب سے پہلے اسرائیل کو امریکہ نے تسلیم کیا پھر روس نے [۱۰]

اسرائیل کے قیام کے لیے عالمی طاقتوں امریکہ اور روس نے ملی بھگت کا ثبوت دیا۔ قیام اسرائیل کے بعد اشتراکی ممالک سوویٹ یونین، یوگوسلادیہ، چیکوسلاویہ اور رومانیہ نے اس کے ساتھ اقتصادی، ثقافتی اور معاشی معاہدے کیے۔ اس معاملے میں اسرائیل نے اپنے قیام سے سب سے پہلے جو کسی بیرونی ملک سے معاہدہ کیا وہ سوویت یونین کا ملک تھا۔

امریکہ اور سوویت یونین نے اسرائیل کے قیام کو قائم رکھنے کے لیے اسکو سیاسی، اور معاشی ترقی دی اور فلسطین کی سرزمین میں اسرائیل کے پاؤں جمانے کی پوری پوری آزادی دی۔

اسرائیل کے قیام سے لیکر آج تک ماسکو یا کمیونسٹ پارٹیوں کی جتنی بھی کانفرنسیں اور اجتماعات ہوئے ہیں، ایسی سفارش یا کسی قرارداد کا کوئی نشان بھی نہیں ملتا جس میں فلسطین کے مسلمانوں کا ذکر ہو یا فلسطین کو عربوں کا علاقہ ظاہر کیا گیا ہو یا پھر فلسطین کی آزادی کی بات کی گئی ہو یا اسرائیل کے قیام کی مخالفت کی گئی ہو یا اسکے توسیع پسندانہ عزائم کی مذمت کی گئی ہو۔

قیام اسرائیل کے بارے میں قرآن مجید کی پیشگوئی

اور ہم اس نے کتاب تورات میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم اس زمین میں ۲ دفعہ فساد (فتنہ) پھیلاؤ گے، اور بڑی ہی سرکشی دکھاؤ گے ۔ پھر جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے تم پر سخت جان لڑائی لڑنے والے بندے ہی مسلط کر دیئے، اور وہ (تمھارے) شہروں کے اندر گُس گئے۔ اور وہ وعدہ (جو میں نے تم سے کیا تھا) پورا ہی ہو کر رہا، پھر ہم نے دوسری بار تم کو اُن پر غلبہ (فتح) دیا، مال اور بیٹوں کے ذریعے سے تمہاری مدد کی۔ اور تم کو بہت بڑی جماعت (گروہ) بنادیا، اگر تم نیکوکاری کروگے تو اپنی لئے ہی کروگے۔ اور اگر بداعمالی ہی کرو گے تو بھی اُن کا وبال تمہاری اوپر ہو گا۔ پھر جب دوسرے ہی (وعدے) کا وقت قریب آیا (تو ہم نے پھر سے اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو ہی بگاڑ دیں، اور جس طرح پہلی مرتبہ مسجد میں داخل ہوگئے تھے، اسی طرح پھر سے اس (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر بھی غلبہ پائیں اُسے تباہ و برباد کر دیں۔''

اس قرآن کی سورت میں بنی اسرائیل کے عروج و زوال ہی اور آخر میں ان کے اصل قطعی اور کلی زوال اور شکست کا ذکر ہے، اس لئے اس سورت کا دوسرا نام ''بنی اسرائیل'' بھی ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ (۱۸۳۹-۱۹۴۵ء) تک بنی اسرائیل دنیا کے ایک سوَ سے زائد ملکوں میں بکھرے پڑے تھے اور یہ وہ حقیقت ہے۔ جس کا قرآن شریف نے بھی ذکر کیا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا

''اور ہم نے انہیں روئے زمین میں منتشر کیے رکھا اور ان کو ٹکریوں میں بانٹ دیا۔'' [۱۲]

اسی وجہ سے کسی کو بھی یہ گمان ہی بھی نہ تھا کہ جو قوم دو ہزار برس سے مختلف ملکوں میں منتشر ہے اور جو تعداد ہی کے لحاظ سے دنیا کی ہی سب سے قلیل ہے، ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ تمام اقوام عالم، یہاں تک کہ یورپی قوموں پر چھا جائے گی۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

ہے نزع ہی کی حالت میں یہ تہذیب کے جواں مرگ ______ شاید ہی ہوں کلیسا کے ہی یہودی متولّی[13]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

تری ہی دوا نہ جنیوا میں ہے ، نہ لندن میں ____ فرنگ کی کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے[۱۴]

علامہ اقبال نے یہ بات آج سے ۷۶/۷۵ سال پہلے اس وقت کی تھی، جب دنیا کے نقشہ پر اسرائیل کا وجود تک نہ تھا، تاہم وہ یورپ میں اپنی اقتصادی قوت مضبوط کرنے میں مصروف تھے۔ آج صور تحال یہ ہے کہ "اسرائیل" عالم عرب کا ہی نہ صرف طاقتور ملک ہی ہے، بلکہ اس وقت وہ دنیا کی ایک ایٹمی اور فوجی قوت کی حیثیت رکھتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کے آخری رکوع کی اس آیت میں قیام اسرائیل کا ذکر ہے۔

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا -[۱۵]

چونکہ ہزاروں سال سے یہودیوں کا کوئی جداگانہ قومی حکومت اور وطن نہ تھا اور ہر جگہ ان کی حالت انتہائی مسکینیت والی تھی، اس لئے متقدمین مفسرین و محققین نے فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا کا یہ مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے بنی اسرائیل! پھر جب قیامت قائم ہو گی تو ہم تمہیں میدان حشر میں جمع کریں گے۔ چنانچہ امام قرطبی کہتے ہیں:

ترجمہ: "پھر آخرت کا وعدہ آئے گا یعنی قیامت کا دن آئے گا، تو ہم تمہیں گھیر کر لائیں گے۔[۱۶]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہم تم سب کو مختلف اطراف سے جمع کریں گے۔"[۱۷]

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ ہی کی آیت:۲۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمایا ہے: "اے میری قوم! اس پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔" یعنی اے بنی اسرائیل! تمہارا وطن القدس (فلسطین) ہے، جو تمہارے آباءواجداد انبیائے کرام کی سرزمین ہے۔ اگرچہ عارضی طور پر ہم نے تمہیں مصر میں آباد کیا تھا، مگر اب تم جا کر اپنے قومی وطن کو آباد کرو۔ اور ہاں! یاد رکھنا، ایک زمانہ آئے گا جب تم اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اپنے اس قومی ملک سے نکال دیے جاؤ گے، دنیا کی مختلف اقوام تمہیں اپنا غلام بنائیں گے۔ تمہاری قومی حکومت ختم ہو جائے گی اور تم دنیا بھر میں دربدر کی ٹھوکریں کھاؤ گے۔ تاہم تمہاری یہ حالت دیکھ کر ہم تم پر پھر رحم کریں گے۔ اسی سرزمین فلسطین یا القدس میں ایک بار پھر تمہاری قومی حکومت قائم ہو گی اور تمہیں اصلاح احوال کا آخری موقعہ دیں گے۔ اگر اس کے بعد بھی تم نہیں سدھرو گے تو پھر ہم اپنے "قانون پاداش عمل" کے مطابق تمہارا مکمل طور پر قلع قمع کر دیں گے۔

موجودہ زمانہ کے ایک اور مفسر الدکتور عبد الکریم الخطیب لکھتے ہیں:

ترجمہ: اس ہی آیت کے معنٰی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اس سرزمین میں ان کے عروج وزوال کا عمل برابر جاری وساری رہے گا۔ یہیں مجتمع بھی ہوں گے تو یہاں سے ادھر اُدھر منتشر بھی کر دیے جائیں گے۔ جب یہاں ان کی قومی حکومت قائم ہو گی تو فساد کریں گے۔ اور جب ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو ان کو ہلاک کریں گے، ان کی قومی وحدت کو پارہ پارہ کریں گے، یہاں تک کہ (آخری زمانہ میں) ان کے اجتماع اور انتشار کا یہ عمل اپنی انتہا کو پہنچے گا۔[۱۸]

مسجد اقصیٰ کے سابق پیش امام شیخ اسعد بیوض تمیمی لکھتے ہیں:

ترجمہ: یعنی سورہ الاسراء کی مذکورہ آیت کا ہی مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں متفرق ہو جاؤ اور تم پر غضب خداوندی ہے۔ "لفیف" کا مطلب ہے جماعتوں اور جتھوں کی صورت میں آنا۔ چنانچہ اسی طرح تارکین وطن یہودی فلسطین میں آرہے ہیں۔

اسرائیل کا خاتمہ

ارض مقدسہ فلسطین میں بنی اسرائیل کی ایک زبردست سامراجی حکومت قائم ہو چکی ہے، جسے ستر برس کا عرصہ ہو رہا ہے اور اب وہ کوشاں ہیں کہ فرات سے نیل تک ان کی حکومت قائم ہو، جسے یہ لوگ "گریٹ اسرائیل" کہتے ہیں اور اپنے اس سامراجی مقصد کو یہ لوگ صیغہ راز میں بھی نہیں رکھتے، بلکہ آئے دن ببانگ دہل اس کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب اقوام متحدہ میں بڑی طاقتوں نے باقاعدہ "اسرائیل" کو منظور کرنے کا اعلان کیا، تو پہلے اسرائیلی وزیر اعظم "بن غورین" نے کہا:

"فلسطین ہمارا محض سیاسی، یا قانونی حق نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارے دین ومذہب کا حصہ ہے۔ یہی وہ "ارض موعود" ہے جس کا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور جس میں نیل (مصر) سے فرات (عراق وشام) تک تمام ممالک شامل ہیں۔"[۱۹]

اسی گریٹ اسرائیل کا نقشہ اسرائیلی کنیسہ اور پارلیمنٹ کے باہر بھی آویزاں ہے، جس میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے۔ اپنے ہی اس خواب کو ہی شرمندہ تعبیر کرنے ہی کے لئے یہودیوں نے ستر سال سے اب تک ایڑی چوٹ کا زور لگایا اور مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے علاقوں کو ہتھیانے کے لئے ان کے خون کی ندیاں بہائیں، مگر ابھی تک وہ اپنی مذموم مساعی میں کامیاب نہ ہوئے۔ پہلے انہوں نے کوشش کی کہ سویت روس کی ٹینکوں پر بیٹھ کر، افغانستان اور پھر پاکستان سے ہوتے ہوئے عالم عرب پر قبضہ کرلیں۔ ۲۵ دسمبر، ۱۹۷۹ء کو ہی روسی فوج کابل میں داخل ہوئی۔ لیکن اہل اسلام کی ضربات کاری کے نتیجہ میں روس کو ۱۹۸۹ع میں افغانستان سے نکلنا پڑا، یہاں تک کہ "سویت یونین" کا وجود ہی تحلیل ہو گیا۔ اس سلسلہ میں یہ یہودیوں کے لئے پہلا سخت دھچکا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کوشش کی کہ دنیا کی نام نہاد واحد سپر پاور امریکہ کے ذریعہ عالم اسلام پر قبضہ کیا جائے۔ یہودیوں نے 11 ستمبر ۲۰۰۱ء کے عالمی ہی تجارتی خاص مرکز (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) پر حملہ کیا گیا اور اس بہانے ۲۰۰۱ء کو امریکہ افغانستان میں نازل ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عراق پر قبضہ کر چکا تھا، دراصل سابق امریکی صدر بش نے عالم اسلام کے جن آٹھ مضبوط ملکوں پر حملہ کرنے کا اعلان کیا تھا، یہ اسی گریٹ اسرائیل کا منصوبہ تھا۔ مگر امریکہ افغانستان اور عراق میں ایسا پھنس گیا، جیسے کہہ رہا ہو:

الجھا ہے ہی پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ ہی اپنے دام میں ہی صیاد آگیا

اس لئے یہ یہودیوں کے لئے دوسرا سخت دھچکا تھا۔ "گریٹ اسرائیل" کی تخلیق کے لئے ان کی تمام تر مساعی کا نتیجہ صفر نکلا۔ 2006ع میں اسرائیل نے بیروت پر حملہ کیا، تاکہ لبنان کو اسرائیل کے حدود میں داخل کیا جائے، مگر ۳۳ دن تک بدترین بمباری کرنے اور امریکا اور یورپی اقوام کی تمام تر مدد کے باوجود لبنانیوں کی سخت مزاحمت کی وجہ سے بیروت کے اندر ایک انچ بھی آگے بڑھ نہ سکا۔ اب اسرائیل کے لئے "نہ جائے ہی ماندن، نہ پائے ہی رفتن" والی صورتحال ہے۔ نہ اس کے مغربی سرپرست اسلامی دنیا کو فتح کر کے اس کا "گریٹ اسرائیل" کا خواب پورا کرسکتے ہیں اور نہ خود اسرائیل میں اتنی ہمت ہے کہ آگے بڑھے۔ یہ اس بات کا ہی عملی ثبوت ہے کہ خود ارض مقدسہ میں بھی یہودی موجود پوزیشن سے آگے بڑھ نہیں سکتے، جبکہ خود فلسطین کے اندر بھی فلسطینیوں کی "تحریک انتفاضہ" جاری ہے، جس پر ابھی تک یہودی کنٹرول نہیں کرسکے۔ جب ہم اس سلسلہ میں قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہودیوں کا مذکورہ بالا سامراجی خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب) اس کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا کہ قرآن مجید نے قیام اسرائیل کی سرزمین "القدس" (فلسطین) بتایا ہے، نہ باہر کے مقبوضات و ممالک اور اس وعدہ کی تکمیل کو ستر سال کا عرصہ ہو چکا۔

دوسری طرف یہودیوں کا فساد اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہے جو زوال اسرائیل کا سبب ہے جس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے: بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِى بَأْسٍ شَدِيدٍ۔ [۲۰] ان کے ذریعہ سے یہودیوں کا مذکورہ بالا فتنہ و فساد فرو ہو گا۔

میرے نزدیک اس سے مراد حضرت امام مہدی اور ان کے ساتھی ہی ہیں، جو مستقبل قریب میں اسرائیل کو، بلکہ اس کے مغربی سرپرست ممالک کو بھی فتح کریں گے۔ چنانچہ اس مضمون کی کافی صحیح احادیث موجود ہیں، جن میں سے کچھ یہاں نقل ہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: تمہارے اندر نبوت کا دور حکومت ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ چلے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا، اسے اٹھادے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا یہ چلے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا، اسے اٹھادے گا۔ پھر ظالمانہ بادشاہی دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا یہ چلے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا، اسے اٹھادے گا۔ پھر ظالمانہ جبری (ڈکٹیٹرشپ / مارشل لا) دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا یہ چلے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا، اسے اٹھادے گا۔ پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہو گی۔ [۲۱]

ترجمہ: آخری زمانہ میں ایک خلیفہ ہو گا، جو مال کو بغیر گنے تقسیم کرے گا۔ [۲۲]

ترجمہ: اے ابن حوالہ! جب تم ہی دیکھو ہ خلافت (مکہ پاک سے) بیت المقدس نازل ہو گئی ہے تو زلزلوں، بڑی بڑی مصیبتوں اور بڑے بڑے کاموں کا زمانہ قریب آجائے گا اور لوگوں سے قیامت اتنی قریب آجائے گی، جتنا تیرے سر سے میرا یہ ہاتھ ہے۔ [۲۳]

جدید دور کے نقاد اور محقق علامہ البانی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ترجمہ: میں ہی کہتا ہوں کہ یہ حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [۲۴]

ترجمہ: ابو زاہریہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ہی فرمایا کہ عیسائی ممالک کے ساتھ جنگوں کے دوران مسلمانون کا مرکز دمشق، دجال کے زمانہ میں ان کا مرکز بیت المقدس اور یاجوج وماجوج کے زمانہ میں ان کا مرکز کوہ طور ہو گا۔[۲۵]

ترجمہ: بیت المقدس کا قائم ہو جانا (یعنی وہاں اسلامی خلافت کا منتقل ہو جانا) مدینہ منورہ کی خرابی کا باعث ہو گا۔ مدینہ منورہ کی خرابی، عالمی جنگوں کا پیش خیمہ ہو گا، عالمی جنگوں کا نتیجہ (دوبارہ) قسطنطنیہ (ترکی) کی فتح کا موجب ہو گا۔ (دوبارہ) قسطنطنیہ کی فتح دجال کے خروج کا موجب ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے معاذ! یہ اسی طرح حق ہے، جس طرح تو یہاں بیٹھا ہے۔[۲۶]

امام حاکم المستدرک (حدیث: ۸۲۹۵) میں اسے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کے شرط پر ہی صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافق فرمائی ہے۔ حافظ ابن کثیر اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام ابو داؤد ہی فرماتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ ہے اور یہ بہترین حدیث ہے، جس سچائی کا نور اور نبوت کی بزرگی قائم ہے۔[۲۷]

شیخ البانی صحیح الجامع حدیث: ۴۰۹۶ میں فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔

اس کے علاوہ المستدرک کی ایک اور حدیث: ۸۲۹۷ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر جبل رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہا کہ اللہ کی قسم! یہ اسی طرح حق ہے جس طرح آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ نیز حضرت معاذ کی ہی دوسری حدیث میں ہے:

ترجمہ: بڑی عالمی جنگ اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج سات ماہ کے اندر ہو گا۔ حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عالمی جنگ اور قسطنطنیہ ملک کی فتح کے مابین ہی چھ سال کا عرصہ ہو گا اور ساتویں سال دجال ظاہر ہو گا۔ امام ابو داؤ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔[۲۸]

تشریح: ان احادیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ مستقبل قریب میں جب القدس میں اسلامی خلافت منتقل ہو گی تو اس وقت مسلمانوں کا خلیفہ کون ہو گا؟ مگر دوسری کافی احادیث میں اس سوال کا جواب موجود ہے کہ اس زمانہ میں عالم عرب پر امام مہدی ہی کی حکومت ہو گی:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: گردش زمانہ یوں ہی رہے گی، یہاں تک کہ عالم عرب پر ایک شخص حکومت کرے گا، جس کا نام میرے نام پر ہو گا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس موضوع کی احادیث امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، ابو سعید خدری، ام المؤمنین، ام سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔[۲۹]

حضرت ابو سعید خدري رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: زمین ظلم وجور سے بھر جائے گی، پھر میری اولاد سے ایک شخص نکلے گا، جو سات یا نو سال تک حکومت کرے گا اور زمین کو عدل و انصاف ہی سے بھر دے گا۔[۳۰]

ترجمہ: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا کہ یارسول اللہ! مہدی ہم میں سے ہوں گے یا ہمارے غیر میں سے؟ فرمایا کہ بل ہم میں سے ہوں گے۔ اس دین کی ابتدا بھی ہم سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی ہم پر ہی ہو گی[31].

اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ ان تمام کو نقل کرنے سے قاصر ہوں اور اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور سورہ بنی اسرائیل میں یہودیوں کے آخری فساد اور اس کے نتیجہ میں ان کی آخری اور قطعی تباہی کا جو ذکر ہے, اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

۱- آخری زمانہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہو گی۔

۲- اور یہ حضرت امام مہدی کی قیادت میں قائم ہو گی۔

۳- اس کی ابتدا مکہ مکرمہ سے اور انتہا بیت المقدس پر ہو گی۔

۴- اسلامی خلافت قائم ہونے کا لازمی مطلب ان تمام خانہ خراب اور خانہ ساز حکومتوں کا خاتمہ ہے, جو اس وقت عالم اسلام پر مسلط ہیں اور جن کو حدیث میں "جبریتہ" فرمایا گیاہے۔ یہ عالمی استبدادی قوتوں کے لئے زبردست دھچکہ ہو گا۔

۵- اس کے بعد امام مہدی اسرائیل کو فتح کریں گے تو یہ ان کے لئے دوسرا دھچکہ ہو گا۔ اسے بچانے کے لئے یورپی اقوام اس نوخیز اسلامی مملکت پر پل پڑیں گی۔ امام مہدی یورپی اقوام کو عالم عرب میں ہی متعدد بار شکست دیں گے۔

۶- یورپی اقوام قسطنطنیہ (ترکی) پر قبضہ کریں گی۔

۷- امام مہدی ان کو شکست دیتے ہوئے, ان کے تعاقب میں یورپ کے اندر اٹلی کے شہر "روم" کو فتح کریں گے۔

۸- وہاں فتوحات جاری ہوں گی تو افواہ پھیل جائے گی کہ دجال تمہارے گھروں کے اندر گھس چکا۔

۹- یہ مہمات ادھوری چھوڑ کر امام واپس شام یعنی القدس آئیں گے تو افواہ جھوٹی ثابت ہو گی۔

۱۰- چھ سال بعد واقعی دجال ظاہر ہو گا۔

۱۱- یہودی اس کو اپنا لیڈر بنا کر مسلمانوں سے لڑیں گے۔

۱۲- اور مدینہ منورہ کا محاصر کریں گے۔

۱۳- اس کے بعد لڑتے لڑتے دمشق کی جامع مسجد میں محصور ہو جائیں گے۔

۱۴- صبح کی نماز کے وقت جب مسلمان صفیں باندھ رہے ہوں گے تو حضرت مسیح دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس مسجد کے مشرق منار سے اندر نازل ہوں گے۔

۱۵- حضرت امام مہدی امامت کرانے کے لئے عرض کریں گے۔ آپ انکار فرمائیں گے اور امام مہدی کے پیچھے ہی صبح کی نماز ادا کرنے ہی کے بعد دجال کا پیچھا کریں گے۔

۱۶- دجال آپ کو دیکھ کر کڑھنے اور نمک کے اندر پانی کی طرح گھلنے لگے گا اور "لد" کی طرف بھاگے گا تاکہ امریکا یا کسی اور دور دراز علاقے کی طرف بھاگ جائے۔ حضرت مسیح اسے وہیں قتل کریں گے۔

۱۷- یہودی یہ حال دیکھ کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے۔ وہ چٹانیں اور درزخ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے اللہ ہی کے بندے! اے مسلمان! یہ رہا میرے پیچھے یہودی، آکر اسے قتل کر۔ مسلمان ان کو چن چن کر قتل کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی، یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے۔ پھر وہ ان کو قتل کریں گے، حتیٰ کہ درخت اور پتھر بھی پکارے گا کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے یہ رہا یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا۔ آکر اسے قتل کر۔ مگر درخت "غرقد" ایسا نہیں کہے گا، کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔[۳۲]

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو جائے گا جو مذکورہ بالا آیت میں ہے:

ترجمہ: پھر جب آخری وعدہ ہی آئے گا تو (ہم تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کریں گے جو مار مار کر) تمہارے چہرے ہی بگاڑ دیں گے اور اسی طرح مسجد (اقصیٰ فلسطین) یعنی القدس میں داخل ہوں گے، جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے۔"[۳۳]

یعنی اے بنی اسرائیل! آخری زمانہ میں اسی سرزمین القدس (فلسطین) میں تمہاری حکومت قائم ہو گی اور جب تم لیلائے اقتدار سے ہم آغوش ہو جاؤ گے تو پھر بدمست ہو جاؤ گے۔ حسب معمول فتنہ وفساد کو وطیرہ بناؤ گے۔ پھر ہماری تم پر ایک بار اور آخری بار حجت قائم ہو جائے گی اور ہم اپنی زمین کو تمہارے وجود سے ہمیشہ کے لئے پاک کر دیں گے اور تمہیں کُلیتاً نیست نابود کر دیں گے، کیونکہ ہماری طرف سے تمہارے لئے یہ آخری موقعہ ہو گا۔ یہاں قرآن مجید کے اصل الفاظ ہیں: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ﴾ "پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا" یعنی جب قرب قیامت ہی کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی اور اس سے مراد ہے نزول مسیح سے پہلے یہودیوں کا فساد عظیم برپا کرنا، جو یہودیوں کی طرف سے ستر سال سے جاری وساری ہے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک جاری رہے گا۔ امام مہدی القدس (اسرائیل) کو فتح کریں گے تو یہودیوں کا فتنہ فی الحال فرو ہو جائے گا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یعنی امام مہدی ہی کے آخری زمانہ میں خروج دجال کے زمانہ میں وہ دجال کے دست وبازو بن جائیں گے اور اس کی قیادت میں اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ ایک طرف وہ مدینہ منورہ کا محاصرہ کریں گے اور دوسری طرف مسلمان دمشق میں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ وہ صورتحال ہو گی، جب علی الصباح حضرت مسیح جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر دو فرشتوں کے ہی کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر آسمان سے اتریں گے اور نماز کے بعد دجال کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ دجال آپ کو دیکھ کر اسرائیل کے مشہور مضبوط فوجی ایئرپورٹ "لد" کی طرف بھاگے گا، تاکہ وہاں سے امریکہ یا اور دور دراز ملک میں پناہ لے، مگر حضرت مسیح وہاں پہنچ جائیں گے اور ایک ہی ضرب کاری سے اسے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں یہودیوں کا کلیتاً خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ ہے وہ مضمون، جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے، اسی بنا پر آٹھویں صدی ہجری کے مفسر علامہ علاء الدین لکھتے ہیں:

اِراد بوعدا الآخرة نزول عیسیٰ من السماء.

"اس آیت میں آخرت کے وعدے کا مطلب ہے، آسمان سے عیسیٰ کا نازل ہونا."[34] (اور ان کے ہاتھوں یہودیوں کا کلی خاتمہ ہونا)

جب ہم ان آیات کریمہ کو اس حدیث نبوی کی روشنی میں پڑھتے ہیں، جو بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے۔ پھر وہ ہی ان کو قتل کریں گے، حتّیٰ کہ درخت اور پتھر بھی پکارے گا کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے یہ رہا یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا۔ آکر اسے قتل کر۔ مگر درخت "غرقد" ایسا ہی نہیں کہے گا، کیونکہ وہ یہودیوں کا ہی درخت ہے۔ یہ لمبائی میں کم اور گھنی شاخوں والا درخت اس وقت پوری سرزمین فلسطین میں بویا جاتا ہے۔ اہل فلسطین اسے اسی نام سے پکارتے آرہے ہیں۔ بعض علاقوں میں اس کے دوسرے نام بھی ہیں۔ ان کو یہودی اپنے ہاتھوں سے بوتے ہیں۔"[35]

حوالہ جات

---

[1] بائیبل، کتاب پیدائش، باب 8، آیت نمبر 7۔

[2] مودودی "عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل" لاہور: ادارہ معارف اسلامی, 2011، ص 130 تا 133۔

[3] پروفیسر سید محمد سلیم "عالم اسلام اور یہودی سازشیں" لاہور، ترجمان القرآن اپریل، 1987 ص 78۔

[4] مولانا غلام رسول مہر "انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم" الوقار پبلی کیشنز, 2010۔ جلد اول ص 205 تا 207۔

[5] مودودی سید ابوالاعلیٰ "عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل" ص 135۔

[6] ایضا 135 تا 142۔

[7] ابوالحسن، تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ، ص ۴۷ تا ۴۹۔

[8] جاوید چودھری، کراچی کا یہودی قبرستان، روزنامہ امت 2016، کراچی: 14 جنوری۔

[9] حامدی خلیل "ارض موعود کی طرف"، لاہور: ترجمان القرآن آگست 1968 - ص 368۔

[10] ایضاً 373۔

[11] سورۃ بنی اسرائیل: 4 تا 7۔

[12] سورۃ الأعراف: ۱٦۸۔

[13] علامہ اقبال شاعر مشرق، ضرب کلیم، لاہور: مکتبہ اردو ادب، حق اسٹریٹ اردو بازار، ص 109۔

[14] ایضا ص ۱۱٦۔

[15] سورہ بنی اسرائیل: 104۔

[16] القرطبي ابو عبد اللہ محمد بن احمد الجامع لاحکام القرآن = تفسیر القرطبی، سورۃ بنی اسرائیل 104۔

[17] الماوردي أبو الحسن علي بن محمد "تفسیر الماوردي" بیروت: دار الکتب العلمیۃ سورہ بنی اسرائیل: 104۔

[18] الخطیب الدکتور عبد الکریم "التفسیر القرآنی للقرآن" مصر: دار الفکر العربی، سورہ بنی اسرائیل: 104۔

[20] سورۃ الإسراء: ۵۔

[۲۱] أبو داود سليمان بن الأشعث ''سنن أبي داود'' حديث 439۔

[۲۲] النيشابوري مسلم بن الحجاج ''صحيح مسلم'' حديث: 2914۔

[۲۳] أبو داود سليمان بن الأشعث ''سنن أبي داود'' حديث 2537۔

[۲۴] أبو داود سليمان بن الأشعث ''سنن أبي داود'' حديث 7289۔

[۲۵] الكوفي ابو بكر عبد الله بن ''ابن ابي شيبه'' حديث:۱۹۷۹۴۔

[۲۶] أبو داود سليمان بن الأشعث ''سنن أبي داود'' حديث:4296۔

[۲۷] أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير ''النهايته'' في الفتن والملاحم 1 / 30۔

[۲۸] البغوي. الحسين بن مسعود ''شرح السنته'' بيروت: المكتب الإسلامی، ۱۹۸۳ع حديث:۴۲۵۲۔

[۲۹] الترمذي محمد بن عيسى، ''سنن الترمذي'' حديث:۲۱۵۶۔

[۳۰] مسند احمد حديث:۱۰۷۹۱۔

[31] كشف الخفاء، بحواله طبراني، ج۲ ص ۳۸۰۔

[۳۲] ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد ''سنن ابن ماجه'' الناشر: دار إحياء الكتب العربية، حديث 4077۔

[۳۳] سورة بنی اسرائیل 7۔

[۳۴] البغدادی علاء الدين على بن محمد المعروف ''الخازن'' تفسير الخازن، الناشر: دار الكتب العلمية. بيروت-۱۴۱۵ھ، جزء 3 ص 149۔

[۳۵] شيخ اسعد بيوض ''زوال اسرائيل حتمية قرآنية'' ص 4۔